سیّد علی محسن

انگلستان میں اصلاح مذہب کی تحریک

انگلستان میں اصلاح کلیسا کی نوعیّت

اصلاح مذہب کی تحریک انگلستان میں جس طرح شروع ہوئی، اس کی مثال یورپ کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔ یہاں کوئی بڑا مصلح پیدا نہیں ہوا۔ یہاں کوئی لوتھر، کالون، زونگلی یا ناکس ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ وکلف نے چودھویں صدی میں رومی کلیسا کے خلاف علم بغاوت بلند ضرور کیا تھا اور کم و بیش ایسی ہی باتیں پیش کی تھیں جن کو بعد میں لوتھر اور کالون نے اپنے اپنے رنگ میں پیش کیا، مگر وکلف کے انتقال کے بعد حکومت نے اس تحریک کے پیروؤں پر ایسے ظلم ڈھائے کہ ٹیوڈر دور تک اس کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ کہیں کہیں ملک کے غریب اور افتادہ طبقات میں اس کے پیرو اب بھی خال خال موجود تھے، مگر ان کی حیثیت آٹے میں نمک کی بھی نہیں تھی۔ قوم من حیث الکل وکلف کی تعلیمات کو بھلا چکی تھی۔ یہ بات البتہ قرین قیاس ہے کہ جب پروٹسٹنٹ تحریک انگلستان میں جڑ پکڑنے لگی تو اس تحریک کے علمبرداروں نے پھر سے وکلف کی تعلیمات سے کچھ استفادہ کرنے کی کوشش کی ہو یا اس کی تعلیمات کو بہ طور رہبری کے حاصل کیا ہو۔ اس لیے بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ انگلستان میں اصلاح مذہب کی تحریک یورپی تحریکات کی رہینِ منّت نہیں ہے، بلکہ اس کے سوتوں کو انگلستان میں ہی تلاش کرنا چاہیے۔ اور اسی وجہ سے انگلستان نے اصلاح مذہب کا اپنا جداگانہ راستہ اختیار کیا۔ اس نے لوتھر کی تعلیمات کو قبول کیا اور نہ کالون کے مذہب کو۔ اس نے اپنا ایک بین بین اور معتدل راستہ اختیار کیا اور باوجود اصلاح کے، کلیسا کے ماضی اور اس کی تاریخی روایات سے اپنا تسلسل اور ربط برقرار رکھا۔ اس ربط اور تسلسل میں کوئی خلیج حائل نہیں کی گئی۔

انگلستان میں اب تک کوئی ایسے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے جن سے مروجہ رومن کیتھولک مذہب سے کسی بیزاری کا اظہار ہوتا ہو۔ اہلِ انگلستان ہمیشہ اپنے اس آبائی مذہب کے دلدادہ رہے۔ لوتھر کی تحریک نے براعظم میں جو ہنگامہ برپا کیا، اس سے انگلستان کے عوام اور خواص دونوں ہی بے تعلق رہے۔ یہاں اس تحریک سے عام طور پر کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ جرمنی میں مذہبی عقائد کے بارے میں جو موشگافیاں کی جا رہی تھیں، ان سے انگلستان کا عام آدمی بے خبر اور بے پروا تھا، اُسے اپنے گرجا، اپنی عبادتیں، اپنے مذہبی اعمال، گرجاؤں کی تزئین و آرائش، عبادت میں شان و شوکت اور

اپنی ماس (Mass) پیاری تھی۔ ان سے وہ اب تک بیزار نہیں ہوا تھا، بلکہ ان ہی چیزوں میں وہ اپنی روحانی تسکین کا سامان مہیّا کرتا تھا۔ جہاں قدیم مذہب اور عقائد سے اسے گہری وابستگی تھی، وہیں پاپائیت اور پاپائی اقتدار کو وہ ہمیشہ مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ یہ کہنا تو مبالغہ ہو گا کہ پاپائی بالادستی کے خلاف کوئی ملک گیر جذبہ مخالفت و عناد پایا جاتا تھا، البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کلیسا پر ایک غیر ملکی تسلّط کو ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ اس تسلّط کو کم سے کم مؤثر بنایا جائے۔ پاپائی تسلّط کے علاوہ ایک اور چیز جو غیر کلیسائی عوام کو کھٹکتی تھی وہ اہل کلیسا کے مخصوص امتیازات تھے۔ جس کسی نے پادریت کی قبا زیب تن کر لی یا مخصوص پادریانہ انداز کے بال کٹوائے یا کچھ مناجاتیں حفظ کر لیں تو وہ کلیسیائی امتیازات کا مدعی ہو جاتا تھا۔ صدور جرم کی صورت میں ملک کی سول عدالتیں اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھیں، اگر وہ قتل کا مرتکب ہوتا تو اسے قصاص کی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ وہ ملک کی عام عدالتوں میں عام قانون کے مطابق نہیں بلکہ کلیسائی عدالتوں میں مذہبی قانون کے تحت سزا پاتا تھا، اور کلیسائی قانون میں سزائے موت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں جن میں کلیساؤں کی دولت و ثروت، ان کی مذہب سے بیگانگت، ان کی اخلاق سوز بدعنوانیاں، ان کی دنیا داری، ان کی عیش پرستانہ زندگی، عوام کو ان سے بدظن اور متنفر کرنے کے لیے کافی تھی۔ کلیسا کے خلاف ان احساسات کی موجودگی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ یہ دبی ہوئی چنگاریاں تھیں۔ قوم کے تحت الشعور میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ کلیسا میں پاک بازی اور پاک دامانی کا فقدان ہے، اور اس پر یہ بات کھلتی تھی کہ کلیسا سے وابستگی ایک خونی کو سزائے موت سے بچا سکتی ہے، لیکن ایک عام آدمی محض الحاد اور ارتداد کے شبہ پر برسرِ عام زندہ جلا دیا جا سکتا ہے اور ملک کا قانون اسے کلیسا کی اس دست برد سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

لوتھر کی تحریک سے عدم دلچسپی

یہ شکایات، جیسا کہ اوپر کہا گیا قوم کے تحت الشعور میں جانے کب سے دبی ہوئی تھیں، لیکن قومی ذہن فوراً کسی انقلابی اصلاح کے لیے تیار نہیں تھا۔ کلیسا کے جسد میں جو آلائشیں تھیں اُن سے نفرت سہی، مگر مذہب اور اس کے بنیادی عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ لوتھر کی تحریک کا اثر ہوا تو بس اتنا کہ کیمبرج یونیورسٹی کے بعض گنے چنے علماء اس کی طرف کچھ مائل نظر آنے لگے، لیکن ملک کی عام فضا لوتھر کی تحریک کے لیے کچھ سازگار نہیں تھی۔ مذہب کے معاملے میں اہل انگلستان قدامت پسند اور ماضی کی روایات سے گہرے طور پر وابستہ تھے۔

جب لوتھر کی تحریک کا یورپ میں آوازہ بلند ہوا تو انگلستان ان ملکوں میں سے تھا جہاں اس کی شدت سے مخالفت کی گئی۔ ان مخالفت کرنے والوں میں سب سے پیش پیش ہنری ہشتم تھا۔ ہنری ہشتم

ایک جواں سال اور باعزم بادشاہ تھا۔ کم از کم اس ابتدائی زمانے میں وہ پوپ اور کلیسا کے پرجوش حامیوں میں سے تھا، اس نے مذہبی مسائل کا کچھ مطالعہ بھی کیا تھا، اسی بِرتے پر اس نے ایک کتاب بھی لکھ کر شائع کی جس میں لوتھر کے اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا۔ یہ عقیدت مندی پاپائے روم لیو دھم کو اتنی پسند آئی کہ اس نے ہنری کو "حامی دین" کا خطاب عطا کیا۔ ہنری نہ صرف کٹر رومن کیتھولک تھا، بلکہ پاپائی اقتدار کے بڑے طرفداروں میں سے تھا۔ اُس زمانے میں لوئی دوازدہم شاہ فرانس اور پوپ جولیس دوم کے درمیان سخت کشمکش جاری تھی۔ جب اِن دونوں میں لڑائی ٹھن گئی تو ہنری نے یورپی سیاسیات میں پہلی مرتبہ پوپ کی تائید میں اپنی تلوار بے نیام کی اور پہلے جنگ مہمیز اور اس کے بعد فلاڈن فیلڈ (Flodden Field) کی لڑائی میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

ہنری ہشتم کی ازدواجی پیچیدگیاں

اگر حالات بدستور یوں ہی رہتے اور ہنری جیسے خود سر بادشاہ کی شخصی دلچسپی کو متحرک کرنے والا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا ہوتا تو یہ کہنا مشکل ہے کہ اصلاح مذہب کی تحریک انگلستان میں کب پیدا ہوتی اور جب پیدا ہوتی تو وہ کون سا راستہ اختیار کرتی؟ انگلستان میں اصلاح مذہب کی تحریک کا آغاز ہنری ہشتم کی زندگی کے ایک رومان پرور واقعہ سے وابستہ ہے۔ ہنری نے ۱۵۰۹ء میں اپنی تخت نشینی کے بعد کتھرین آف آراگان سے شادی کرلی جو اس کے مرحوم بھائی آرتھر کی بیوہ تھی۔ آرتھر کا انتقال شادی کے چند مہینوں کے بعد ہوگیا تھا۔ چونکہ کتھرائن اسپین کی شہزادی تھی اور اسپین سولھویں صدی میں ایک طاقتور ملک بنتا جارہا تھا۔ ہنری ہفتم نے اس المناک حادثہ کے باوجود اس بات کی کوشش کی کہ اس رشتہ کو انگلستان کے مفاد کی خاطر کسی نہ کسی طرح برقرار رکھا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ کتھرائن اسپین واپس نہ ہو، بلکہ اس کا عقد ثانی اس کے چھوٹے بیٹے ہنری سے ہو جائے۔ یہ بات کچھ آسان نہیں تھی کیونکہ رومن کلیسا میں بھائی کی بیوہ سے شادی صریحاً ناجائز تھی۔ اس مشکل کا صرف ایک ہی حل تھا، وہ یہ کہ پاپائے روم سے اس کی خصوصی اجازت حاصل کی جائے۔ اس زمانے میں روپیہ اور اثر کے استعمال سے روم سے ایسے فتوے حاصل کرنا کچھ دشوار نہیں تھا۔ کیونکہ پوپ اپنی اغراض کے لیے بادشاہوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتے تھے۔ چنانچہ پوپ جولیس دوم نے ایک حکم استثناء (dispensation) کے ذریعہ سے اس شادی کی اجازت دے دی، چنانچہ ہنری ہشتم نے اس حکم استثناء کی بنا پر کتھرین سے اپنی تخت نشینی کے بعد شادی کرلی۔

کتھرائن ہنری سے عمر میں چھ سال بڑی تھی۔ یہ نہایت متین، سنجیدہ اور شریف النفس عورت تھی۔ حسن تو کچھ ایسا نظر فریب نہیں پایا تھا، لیکن بہت سی نسوانی خوبیوں کی حامل تھی اور کہا جاتا ہے کہ ناچنے میں رشکِ ناہید تھی۔ ابتدائی زمانے میں اِن دونوں کی ازدواجی زندگی کافی خوشگوار رہی۔ ۱۵۲۷ء

تک یہ خوش گواریاں ختم ہوگئیں۔ کتھرائن کی نسوانی دلکشیاں ختم ہوگئی تھی اور اس اثناء میں، ہنری کی نظریں دربار کی ایک حسینہ این بولین پر پڑنے لگیں۔ اس معاشقہ نے اچانک ایک نئی صورت حال پیدا کردی۔ این بولین سوائے شادی کے کسی اور طریقہ پر، ہنری سے منسلک ہونے کے لیے تیار نہیں تھی، اور ہنری کا اشتیاق مانع صبر و تحمل تھا۔ دوسری طرف منزل شوق کی کٹھنائیوں سے پُر کتھرائن سے طلاق حاصل کرنا کوئی کھیل نہیں تھا، خصوصاً اس وجہ سے کہ رومی کلیسا میں طلاق کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اب علیحدگی حاصل کرنے کی واحد صورت یہ تھی کہ ابتداءً شادی کے لیے جو فتویٰ حاصل کیا گیا تھا، اُسے غلط ٹھہرا کر شادی کو ہی سرے سے کالعدم قرار دیا جائے۔ پوپ کے لیے یہ بات محل تذبذب ہو سکتی تھی، کیونکہ اسے رسمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ اس کے پیش رو سے غلطی سرزد ہوئی۔ یہ بات پاپائی احکام کو ساقط الاعتبار کرنے کے مترادف تھی۔ اور اس ادارے کے وقار کو اس سے دھکہ پہنچ سکتا تھا۔ پوپ کے تذبذب کی یہی ایک اہم وجہ تھی، اس لیے پوپ اس معاملہ میں دو ٹوک فیصلہ کرنے سے ہچکچاتا تھا۔ یہ خیال کرنا کہ ہنری محض این بولین سے شادی کرنے کے لیے کتھرائن کو طلاق دینا چاہتا تھا، صحیح نہیں۔ منجملہ اور اسباب کے یہ ایک سبب ضرور تھا، لیکن شاید سب سے اہم سبب یہ تھا کہ اِس طویل ازدواجی زندگی کے بعد بھی ہنری کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اولاد یوں تو بہت ہوئی، مگر سوائے ایک لڑکی میری (Mary) کے کوئی زندہ نہیں بچا۔ ہنری کے لیے یہ بات فکر اور تشویش کا باعث تھی۔ اس کی بڑی آرزو یہ تھی کہ اس کے کوئی لڑکا ہو جو اس کے بعد اس کا جانشین ہو سکے۔ لڑکی کی وراثت خطرات سے خالی نظر نہیں آتی تھی۔ پچھلی عظیم خانہ جنگی زیادہ تر وراثت کی غیر یقینی صورت حال سے پیدا ہوئی تھی۔ ہنری یہ چاہتا تھا کہ انگلستان کی بادشاہت اس کی اولاد میں متوارث ہوجائے۔ اس کے لیے اولاد نرینہ کی ضرورت تھی۔ ہنری کو کچھ خیال یہ بھی تھا کہ اس کی بیشتر اولاد جو جاں بر نہ ہوسکی وہ ایک قسم کا خدائی قہر تھا، کیونکہ اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کی تھی جو مذہباً اس کے لیے جائز نہیں تھی۔ مانا کہ پوپ سے اس کے جواز کا فتوی لیا گیا تھا، لیکن ایسے فتووں سے مذہب کے بنیادی اصول اور احکام نہیں بدل سکتے۔ یہ خیال اس کے دل میں گھر کر چکا تھا کہ کتھرائن کے ساتھ زندگی بسر کر کے اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ ہر چند کہ اس گناہ کی ذمہ داری پوپ پر بھی تھی، مگر وہ اپنے آپ کو ارتکابِ گناہ کے احساس سے کبھی بری نہ کر سکا اور یہ سمجھنے لگا تھا کہ پوپ نے محض سیاسی دباؤ کے تحت ایسا استثناء عطا کیا جس کا مذہباً کوئی جواز نہیں تھا۔

مسئلہ طلاق

طلاق کے مسئلہ پر، ہنری کے ذہنی محرکات کو سمجھنے کے لیے وہ سب باتیں پیشِ نظر رکھنا چاہییں جو اوپر بیان کی گئیں۔ اس پر این بولین سے اس کے معاشقہ نے اِس مسئلہ کو ایک فوری اہمیت عطا کر

دی۔ اس راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں، وہ اس کے سمند شوق پر تازیانہ ثابت ہوئیں۔ اب وہ ہر قیمت پر کیتھرائن سے طلاق حاصل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ہنری کو یقین تھا کہ کیتھرائن سے علیحدگی حاصل کرنے میں کچھ دشواریاں حائل ضرور ہوں گی، مگر ان پر قابو پانے سے وہ مایوس نہیں تھا۔ ایک کھلی دقت تو یہ تھی کہ رومی کلیسا میں طلاق کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے جب کبھی ایسی صورت پیدا ہوتی تو علیحدگی کے دوسرے راستے اختیار کیے جاتے تھے۔ پاپاؤں نے ذی اقتدار اور با اثر شخصیتوں کے لیے بارہا ایسی گنجائشیں نکالیں کہ اُن کو دوسری شادیوں کے مواقع حاصل ہوسکے، اور ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ارل آف سفک نے پوپ کے خصوصی اجازت نامہ کے ذریعہ سے اپنی پہلی بیوی سے گلوخلاصی حاصل کی اور دوسری شادی رچائی۔ ہنری کی بہن مارگریٹ کو بھی پوپ کلیمنٹ ہفتم نے اس کے سابقہ شوہر سے نجات دلائی اور اس کو ایک اور شادی رچانے کا موقع عطا کیا۔ خود اس کے خاندان میں ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے ہنری کو یہ اندیشہ نہیں تھا کہ اس کے معاملہ میں پوپ کسی تنگ نظری سے کام لے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اگر کلیمنٹ اسپین کے دباؤ میں نہ ہوتا تو ہنری کو اپنا مقصد حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی، مگر بد قسمتی سے پوپ چارلس [شاہ اسپین] کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ ابھی زیادہ دنوں کی بات نہیں تھی کہ شہنشاہ چارلس کی فوجوں نے روم کے مقدس شہر میں قتل عام برپا کیا تھا، ویٹی کن کے محل کو اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا تھا اور سینٹ پیٹر کے گرجا کی بے حرمتی کی تھی اور یہ سب اُس شخص کی فوجوں کے کرتوت تھے جو یورپ میں حامی کلیسائے روم سمجھا جاتا تھا۔ شہنشاہ نے ۱۵۲۹ء تک پہلے پوپ اور بعد میں فرانسس اول کو ایسی پیہم شکستیں دیں کہ اطالیہ میں ان دونوں کا اثر و رسوخ خاک میں مل گیا۔ چارلس کی ان شاندار کامیابیوں نے اسپین کو یورپ کی ایک عظیم طاقت بنا دیا۔

یہ ہنری کی بد قسمتی تھی کہ کیتھرائن سے اس کی علیحدگی کا مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جبکہ چارلس کا ستارہ ساتویں آسمان پر تھا۔ کلیمنٹ اپنے حالیہ تجربہ کی بنا پر اس سے خائف اور لرزاں تھا۔ ہنری کے چانسلر ولزے (Wolsey) نے جب اس مسئلہ کے لیے پوپ سے رجوع کیا تو کلیمنٹ یہ جانتا تھا کہ اس میں کوئی دوٹوک فیصلہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ کیتھرائن چارلس کی حقیقی خالہ تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کیتھرائن کے خلاف کوئی فیصلہ کیا جائے اور چارلس خاموش رہے۔ اس کے نتائج پوپ کے لیے بہت سنگین ہوسکتے تھے۔ دوسری طرف پوپ ہنری جیسے خود سر اور طاقتور بادشاہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ولزے نے یہ بات بھی بتا دی تھی کہ بات صرف ہنری کی ناراضگی پر ختم نہیں ہوجائے گی، بلکہ انگلستان میں رومی کلیسا کا مستقبل خطرہ میں پڑجائے گا۔ بہت ممکن ہے کہ ہنری ناکامی کی صورت میں رومی کلیسا سے انگلستان کے صدیوں پرانے رشتوں کا ہی خاتمہ کر دے۔ یہ کوئی معمولی ہراسانی کی بات نہیں تھی۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ یورپ میں مختلف گوشوں سے کلیسائے روم کے خلاف

بغاوت کے علم بلند ہو رہے تھے، مگر پوپ ایسا بے دست و پا تھا کہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھا نہ سکا۔ ہنری کو لطائف الحیل سے ٹالتا رہا۔ ٹال مٹول، تعویق اور تاخیر کے مختلف راستے اختیار کیے گئے۔ بالآخر اس مقدمہ کی سماعت کے لیے خود انگلستان میں ایک پاپائی عدالت قائم کی گئی جس کی مشترکہ صدارت کیمپگیو (Campeggio) اور ولزے کے سپرد کی گئی۔ اس عدالت میں ہنری اور کتھرائن دونوں نے اپنے اپنے مقدمات پیش کیے۔ کتھرائن کے لیے ملک میں بہت ہمدردی تھی۔ عدالت کے بعض اجلاس عوام کے لیے بھی کھلے رہے۔ لوگوں نے شاید بہ چشم پرنم اس المیہ کے مناظر دیکھے۔ وہ جانتے تھے کہ کتھرائن معصوم اور مظلوم ہے، مگر ان کی ہمدردیاں ہنری کی خود سری کے سامنے کیا اثر دکھا سکتیں۔ ادھر چارلس کا پوپ پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی دباؤ کے تحت کلیمنٹ نے اس عدالت کو برخاست کر دیا اور مقدمہ کو دوبارہ روم طلب کر لیا۔

اصلاحی پارلیمنٹ اور اس کا کام

ہنری کو اس منزل پر یقین ہو گیا کہ پوپ سے اس کا کچھ کام نکل نہ سکے گا۔ اس موقع پر اس نے بڑی فراست سے کام لیا۔ اس مسئلہ کی یکسوئی کے لیے اس نے پارلیمنٹ طلب کی۔ یہ بات اب بالکل واضح ہو چکی تھی کہ کتھرائن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے انگلستان پر پاپائی بالادستی کے نظام کو درہم برہم کرنا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں اب وقت آ گیا تھا کہ پاپائی سیادت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس سیادت کے ختم ہوتے ہی انگلستان کا کلیسا نہ صرف بیرونی تسلط سے آزاد ہو جائے گا، بلکہ اس کی حیثیت ایک قومی ادارے کی ہو جائے گی۔ اور قومی کلیسا پارلیمنٹ اور بادشاہ کے اثر و اختیار سے باہر نہیں رہ سکتا۔ ہنری نے اسی سمت کی جانب قدم اٹھایا۔ اب وہ پارلیمنٹ سے وہ کام لینا چاہتا تھا جس کی انجام دہی کے لیے وہ پوپ کو رضامند نہیں کر سکا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے ہنری اور پاپائے روم کی کھلی جنگ شروع ہوتی ہے، اور اسی مقام کو انگلستان میں اصلاح مذہب کا نقطہ آغاز سمجھنا چاہیے۔ ۱۵۲۹ء میں جو پارلیمنٹ طلب کی گئی وہ اسی لیے ریفرمیشن پارلیمنٹ کہلاتی ہے۔ سات سال تک یہ پارلیمنٹ برقرار رکھی گئی اور اس کے ذریعہ سے ایک انقلاب آفریں کام لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہنری نے اس پارلیمنٹ کو اپنے حامیوں اور طرف داروں سے بھرنے کے لیے انتخابات میں مداخلت کی تھی، مگر یہ بات کچھ صحیح نہیں ہے۔ ٹیوڈر عہد کی پارلیمنٹیں انتہائی بادشاہ پرست واقع ہوئی تھیں اور وہ بادشاہوں کے چشم و ابرو کے اشاروں پر کام کرنے کے لیے تیار تھیں۔ یہ دور بادشاہوں کی مطلق العنانی اور پارلیمنٹوں کی محکومیت اور حکم برداری کا ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں بادشاہ اور پارلیمنٹوں کے درمیان کوئی نزاعی مسائل نہیں تھے، بلکہ دونوں میں کامل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ ۱۵۲۹ء میں جو پارلیمنٹ منتخب ہو کر آئی، اس کے اراکین کبھی اس بات سے ناخوش نہیں ہو سکتے تھے

کہ بادشاہ روم کی سیادت کے بندھنوں کو توڑنا چاہتا تھا۔ ضلع کے نائٹ اور شہروں کے تاجر جو اس پارلیمنٹ کے اراکین تھے، وہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ ان پر، ان کے ملک پر اور ان کے کلیسا پر رومی پاپاؤں کا جو تسلط ہے، اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ انگلستان میں صدیوں سے اس تسلط کے خلاف جذبات موجود تھے اور ازمنہ وسطیٰ میں ایسے قوانین بنانے کی بارہا کوشش کی گئی تھی جس سے پاپائی تسلط کو کمزور کرنا مقصود تھا۔ انگلستان کا عام آدمی کٹر رومن کیتھولک ہوتے ہوئے بھی، پوپ کی بالادستی اور روم کی برتری سے نالاں تھا، اس لیے جب یہ پارلیمنٹ منتخب ہو کر آئی تو اُس نے پوپ کے خلاف، قوانین کے وضع کرنے میں بادشاہ کا بڑی کشادہ قلبی سے ساتھ دیا۔ اس میں اس کو مطلق کوئی پس و پیش نہیں تھا۔ ان قانونی بندھنوں کو توڑنے میں پارلیمنٹ بادشاہ سے زیادہ پیش پیش تھی جن کی وجہ سے انگلستان کا روپیہ اور انگلستان کی کلیسائی دولت روم کھنچ کر چلی جاتی تھی۔ ان بندھنوں کو توڑنے کے معنیٰ یہ تھے کہ انگلستان کو ایک غیر ملکی تسلط سے آزاد کرایا جائے۔ سولہویں صدی میں ایک ایسی شدید قوم پرستی کی لہر پیدا ہوئی تھی کہ کسی غیر ملکی تسلط کا وہم و گمان بھی قومی وقار کے منافی سمجھا جانے لگا تھا، اسی لیے ہنری کو پارلیمنٹ کی جانب سے اس باب میں نہ صرف کامل تعاون حاصل ہوا، بلکہ ہنری کے اس کام کو قوم نے بنظرِ استحسان دیکھا۔ قوم کے اس نقطۂ نظر کی وجہ سے ہنری کو اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ بادشاہ اور قوم دونوں، ہنری اپنے مقصد کے لیے اور قوم اپنی دیرینہ تمناؤں کی تکمیل کے لیے متفق تھے کہ پاپائی بالادستی کو ختم کیا جانا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہنری رومن کیتھولک مذہب میں کسی تبدیلی کا خواہاں نہیں تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اب بھی وہ اس مذہب کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار تھا۔ اگر وہ اس منزل پر مذہب میں کسی تبدیلی کی خواہش کرتا یا ملک کو لوتھری تعلیمات کی سمت میں گامزن کرانا چاہتا تو پارلیمنٹ اس کا ہرگز ساتھ نہ دیتی، بلکہ ملک میں ہر طرف سے اس کی سخت مخالفت کی جاتی اور ہنری کو مرحلہ اوّل ہی میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ وہ تو فی الحقیقت انتظامِ کلیسا میں صرف سیاسی اور قانونی تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا۔ نفس مذہب کی حد تک وہ ہر قسم کے اصلاحی خیالات کا سخت دشمن تھا۔ انگلستان میں اصلاح کی تحریک پیدا ضرور ہوئی اور کامیاب بھی ہوئی لیکن رفتہ رفتہ، منزل بہ منزل پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اسی سست رفتاری میں اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ تھا۔ انگلستان کے قدامت پسند عوام نے کلیسا کے دستوری موقف میں مجوزہ تبدیلیوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا، بلکہ وہ اس بات پر خوش تھے کہ کلیسا پھر سے بادشاہ کے زیر نگیں ہو جائے گا اور اس چیز کو وہ انگلستان کی قدیم روایات کے مطابق سمجھتے تھے۔

کلیسا کا پاپائیت سے انقطاع

پارلیمنٹ نے پوپ سے انقطاع کے لیے جو قدم اٹھائے، ان میں دانستہ طور پر سست رفتاری

سے کام لیا گیا۔ ایک ہی مرحلہ میں پاپائیت سے انقطاع نہیں کیا گیا۔ ہر نئے قانون سے ایک نئی ضرب لگائی گئی۔ آخری اور فیصلہ کن وار کو ۱۵۳۴ء تک روکے رکھا گیا۔ اس امید پر کہ شاید پارلیمنٹ کی اس مستعدی کو دیکھ کر پاپائے روم ہنری کی مطلب براری کی کوئی صورت نکال دے۔ پارلیمنٹ نے سب سے پہلے تو اہل کلیسا کو مرعوب کرنے کے لیے یہ الزام لگایا کہ ولزے کو پوپ کے وکیل کی حیثیت سے تسلیم کر کے انہوں نے "قوانین امتناع" کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ قوانین ایڈورڈ سوم کے عہد میں پوپ کے اثرات کو کم کرنے کے لیے نافذ کیے گئے تھے اور ان کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت سزائیں رکھی گئی تھیں۔ اس وقت چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اہل کلیسا حکومت کی اختیار کردہ پالیسی کے شاید مانع و مزاحم ہوں، اس لیے ان کو پہلے ہی خاطی اور مجرم ٹھہرایا گیا تاکہ وہ خوف زدہ ہو جائیں۔ اس سے کلیسا میں واقعی ایک سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے کمال عجز کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور بادشاہ سے معافی کے طلب گار ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ پہلے قانونی "ثمر اولیں" پاس کر کے انگلستان سے ان تمام رقومات کا بھیجا جانا ناجائز قرار دیا گیا جو جدید کلیسائی تقررات کے ضمن میں پوپ کو روانہ کیے جاتے تھے۔ اس سے پوپ کے ذرائع آمدنی مسدود ہو گئے۔ اس کے بعد قانون مرافعہ (Act of Appeals) پاس کیا گیا۔ اب انگلستان کی کسی کلیسائی عدالت سے کوئی مرافعہ پاپائی عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا تھا۔ اس قانون سے کتھرائن کے لیے انصاف کے حاصل کرنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ وہ پاپائی عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتی تھی۔ سب سے آخر میں "قانون سیادت" منظور کیا گیا (۱۵۳۴)۔ اس نے انگلستان پر پاپائی سیادت ختم کر دی۔ اب انگلستان کے کلیسا کا حاکم اعلیٰ پوپ کی بجائے بادشاہ کو قرار دیا گیا۔ اس قانون کو تسلیم کرنے کے معنیٰ یہ تھے کہ پوپ کی سیادت سے انکار کیا جائے اور اس سے انحراف و انکار کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا، کیوں کہ اس سے انکار کے معنیٰ موت کے تھے۔ انگلستان کے طول و عرض میں صرف دو اشخاص ایسے نکلے جنہوں نے اپنا سر دے دیا، لیکن اپنے عقائد کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ سر ٹامس مور اور بشپ فسٹر دونوں اپنے علم و فضل اور اپنے تقویٰ کے لیے مشہور تھے۔ سر ٹامس مور تو اپنی پاکباز زندگی اور اپنے تبحر علمی کی وجہ سے یورپ میں سر آمد روزگار مانا جاتا تھا، لیکن ہنری کی ضد اور اس کی خود سری کے آگے کسی کی کچھ پیش نہ کی جا سکی۔ ان دونوں کے سر قلم کر دیے گئے۔ اب اور کون اتنی بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوتا؟ سبھوں نے حلف سیادت اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی انگلستان میں اصلاح مذہب کا پہلا مرحلہ ختم ہوا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک سیاسی اور دستوری اصلاح تھی، اس کا مذہب سے کیا واسطہ، مگر یہ خیال غلط ہے۔ پوپ کے صدیوں پرانے عمل دخل کو انگلستان میں نیست و نابود کر دینا بجائے خود ایک مذہبی اصلاح بھی ہے، کیونکہ رومن کیتھولک مذہب میں پوپ کو اور پاپائیت کے ادارہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ رومن کیتھولیسزم (catholicism) بغیر پوپ کے صحیح معنیٰ میں رومن

کیتھولیسزم نہیں ہے۔ وہ اصل مذہب سے انحراف کی ایک شکل ہے اور یہی انحراف اصلاح کی جانب پہلا قدم ہے۔

خانقاہوں کا خاتمہ اور اس کے نتائج

ہنری نے اس ضمن میں ایک اور دور رس قدم اٹھایا۔ ولزے کی تباہی اور اس کی موت کے بعد ٹامس کرامول ہنری کا معتمد علیہ اور دست راست بن گیا تھا۔ ریفرمیشن پارلیمنٹ نے اُسی کی رہنمائی اور ہدایت میں متذکرہ صدر قوانین پاس کیے۔ انگلستان میں پوپ کا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اس قانون سازی کے ساتھ ساتھ کلیسائی ادارے پر ایک اور زبردست وار کیا گیا۔ ازمنہ وسطیٰ سے خانقاہیں پاپائی اثر و اقتدار کا گڑھ تھیں۔ خانقاہوں کی تنظیم عام عیسائی تنظیم سے جداگانہ تھی۔ ان پر اساقفہ کا بھی کنٹرول نہیں تھا۔ یہ پاپائی اقتدار کے جزیرے تھے اور راست پوپ کی ذات سے منسلک تھے۔ ملک میں یہ ادارے نہ صرف وسعت سے پھیلے ہوئے تھے، بلکہ صدیوں کی مجتمع دولت کے مالک تھے۔ سونے چاندی کے بیش قیمت ذخائر، طلائی ظروف اور پلیٹ ان کی ملکیت میں تھے۔ ملک کی وسیع اراضی پر بھی اُن کا قبضہ تھا۔ یہ زینیات اُن کو انعام، عطیہ اور وقف کی شکل میں حاصل ہوئی تھیں اور اُن سے انہیں کافی مالگزاری ملتی تھی۔ اس دولت پر آج تک کسی نے دست درازی نہیں کی تھی، مگر ہنری دولت کا حریص تھا۔ اس حرص کے آگے خانقاہوں کا تقدّس اس کی نظر میں ہیچ تھا۔ خانقاہوں کی مسدودی سے اتنی کثیر دولت ہاتھ آسکتی تھی کہ ہنری فوری طور پر پارلیمنٹ کی دست نگری سے آزاد ہوسکتا تھا۔ یہ نہیں کہ پارلیمنٹ کا اسے کچھ خوف تھا یا پارلیمنٹ اس کے کسی مطالبہ کو رد کرسکتی تھی، لیکن اگر پارلیمنٹ سے بے نیاز ہونے کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو یہ بات اس کے نزدیک ہر وقت قابل ترجیح تھی۔ اس دولت سے ایک اور اہم کام لیا جاسکتا تھا۔ امراء، جاگیردار، زمیندار، اضلاع کے نائٹ حتیٰ کہ شہروں کے تاجر بھی ایک عرصہ سے خانقاہوں کی زینیات پر نظر لگائے بیٹھے تھے۔ ٹامس کرامول اور ہنری اس بات سے خوب واقف تھے۔ ان زینیات کو ضبط کر کے ان کو آسانی سے ملک کے سرمایہ دار طبقہ میں بانٹ دیا جاسکتا تھا، چنانچہ یہی عمل کیا گیا۔ جن طبقات کے ہاتھ یہ زینیات منتقل ہوگئیں وہ قدرتی طور پر اس انتظام کے حامی اور محافظ بن گئے جس کے ذریعہ سے یہ زینیات اُن کے ہاتھ آئی تھیں۔ انہیں اصلاح کی کارروائی میں ایک شخصی دلچسپی پیدا ہوگئی اور اُن کا ذاتی مفاد اصلاح کے کام سے وابستہ ہوگیا۔ رومن چرچ پر یہ دوسرا زبردست وار تھا۔ اس نے ملک میں ایک ایسا سرمایہ دار طبقہ پیدا کردیا جو کسی صورت سے روم کے اقتدار کے احیاء کا روادار نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کارروائی کا یہ ایک اتفاقی نتیجہ تھا یا کسی سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت یہ حکمت عملی اختیار کی گئی۔ خانقاہوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کسی بہانہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی کارکردگی اور ان کی موجودہ افادیت کا جائزہ لینے

کے لیے کرامول نے کمشنروں کا تقرر کیا، ان کمشنروں نے جو رپورٹ پیش کی تو معلوم ہوا کہ بیشتر بڑی بڑی خانقاہیں فحاشی اور بدکاری کے اڈے بن گئے ہیں۔ اُن کی اندرونی زندگی کی پاکبازیاں، خدا پرستیاں، نفس کشیاں اور ایثار پسندیاں زمانہ ہوا، ختم ہو چکی تھیں، وہ ہر قسم کی آلائشوں اور ناپاکیوں میں مبتلا تھیں۔ طلبِ حق میں سخت کوشی کی بجائے ان میں عیش پسندی اور سہل انگاری پیدا ہو گئی تھی، دولت کی فراوانی نے ان کے ضمیر کو زنگ آلود کر دیا تھا۔ جو دولت پہلے خدمتِ خلق میں صرف ہوتی تھی، وہ اب ان کے عیش پر صرف ہونے لگی۔ خانقاہی زندگی میں یہ عیوب ایک زمانے سے پیدا ہو چکے تھے اور عام طور پر لوگ ان سے ناواقف نہیں تھے، بلکہ یہی وہ اخلاقی برائیاں تھیں جنہوں نے کلیسا سے وابستہ طبقوں کو عوام میں بدنام اور رسوا کر رکھا تھا۔ سوال اس وقت صرف اہلِ خانقاہ کے عیوب اور بدعنوانیوں کا نہیں تھا، بلکہ اصل سوال یہ تھا کہ ملک کی اس کثیر دولت کا کیا مصرف ہونا چاہیے؟ واقعہ یہ ہے کہ خانقاہوں کے وجود کا کوئی جواز باقی نہیں تھا۔ عوامی خدمت جو پہلے اُن کا طرۂ امتیاز تھا، اُس کو وہ بھلا بیٹھے تھے۔ ایسے میں تعجب نہیں کہ ہنری اور کرامول کو ان کی مسدودی میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ صرف شمالی علاقوں میں اس کے خلاف جذبات برانگیختہ ضرور ہوئے اور بغاوت بھی برپا ہوئی، لیکن جس آسانی سے اس پر قابو پایا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کا بیشتر حصّہ اس پالیسی میں ہنری کی تائید میں تھا۔ غرض جب یکبارگی خانقاہیں ختم کر دی گئیں تو بعض مشہور خاندانوں کو اس لوٹ کا ایک بڑا حصّہ ملا۔ سیسل، (Cecil) رسل، (Russel)، کیونڈش (Cavendish) اور دیگر چند اور خاندانوں کی امارت اسی لوٹ کی مرہونِ منت ہے اور یہی وہ خاندان ہیں جو اصلاح کے محافظ اور پہرہ دار بن گئے۔ اس طرح ملک میں ایک ایسا متمول اور بااثر طبقہ پیدا ہو گیا جس کی قسمت، جس کا مستقبل اور جس کی خوشحالی اصلاحِ مذہب سے وابستہ ہو گئی تھی۔

خالص قومی کلیسا کا قیام

غرض ۱۵۳۹ء تک اصلاح کی سمت میں نہایت اہم اقدامات کیے گئے۔ روم کے تسلّط سے انگلستان کا کلیسا آزاد ہو گیا۔ پاپائے روم سے تمام رشتے منقطع ہو گئے۔ کلیسا پر بادشاہ کی حاکمیت مسلّم ہو گئی۔ خانقاہیں ملیامیٹ ہو گئیں۔ یہ بجائے خود انقلابی اقدامات تھے، مگر ہنری نے نفسِ مذہب کو نہیں چھیڑا، عقائد نہیں بدلے، اس نے لوتھر کی تعلیمات کی طرف دھیان دیا اور نہ Melanchthon کے تیار کردہ اعترافات آگیسبرگ (Augsburg Confessions) کو قبول کیا جو جرمنی میں پروٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد بن گئے تھے۔ وہ مذہب کو خالص قومی رنگ دینا چاہتا تھا۔ جرمنی سے درآمد کیے ہوئے مذہب کو انگلستان کا مذہب بنانا اسے پسند نہیں تھا، چنانچہ ۱۵۳۹ء میں "شش دفعات ایمانی" کو پارلیمنٹ کے ذریعہ سے پاس کروایا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ملک میں

کیتھولک مذہب کی جڑیں مضبوط رہیں، لیکن اپنے مرنے سے پہلے اس نے ولیم ٹنڈیل William) (Tyndale کے ترجمۂ بائیبل کو کلیسا میں استعمال کرنے کی اجازت دی۔ ٹنڈیل نے بائیبل کا بہت دلکش ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ آرچ بشپ کرنیمر (Cranmer) کی انگریزی میں ترتیب دی ہوئی مناجاتوں کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہ مناجاتیں بڑی خوبصورت زبان میں لکھی گئی تھیں۔ زبان کی خوبصورتی اور دلکشی نے اسے کلیسا کا بیش قیمت سرمایہ بنا دیا۔ آمدہ اصلاحی تحریک کو تقویت دینے میں یہ رعایتیں بہت اہم ثابت ہوئیں اور اصلاح کی جانب ایک اہم قدم بن گئیں۔ غرض مذہب کے معاملہ میں ہنری نے محتاط اور بین بین حکمت عملی اختیار کی۔ اس کے مقررہ کردہ حدود سے باہر جانے والے خواہ وہ پروٹسٹنٹ ہوں یا کیتھولک دونوں یکساں طور پر سزا پاتے تھے۔ غداری کے الزام میں کیتھولکوں کو اور الحاد کے الزام میں پروٹسٹنٹوں کو وہ موت کے گھاٹ اتارتا رہا۔ اول الذکر کے لیے پھانسی کا تختہ تھا اور ثانی الذکر کے لیے چتا کی بھڑکتی ہوئی آگ۔

آرچ بشپ کرنیمر کی خدمات

ہنری کے آخری زمانے میں تقریباً چودہ سال تک مذہبی معاملات میں اس کا مشیر کرنیمر تھا۔ یہ نہایت متقی اور پرہیزگار عالم تھا۔ اس کا تعلق کیمبرج کے اُن علماء کے گروہ سے تھا جو پاپائیت سے متنفر اور بیزار تھا۔ جرمنی کی اصلاح مذہب کی تحریک سے وہ متاثر تھا۔ اس کی بیوی جرمن نژاد تھی۔ طلاق کے مسئلہ کے سلسلے میں اس نے بادشاہ کی بے بہا خدمت انجام دی۔ اس کی پاکبازی، اس کے تقویٰ اور اس کی بے لوث دینی خدمات میں مشکل سے اس کا کوئی ہمسر تھا، لیکن وہ دل کا بیٹا تھا۔ وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے بارہا اپنے اصولوں کے خلاف زمانہ سازی پر مجبور ہوا، لیکن آخر میں حق و صداقت کے لیے جس استقلال اور پامردی سے اس نے جان دی، اس سے اس کی سابقہ لغزشوں کا کفارہ ادا ہو گیا۔ ہنری نے اسے کنٹربری کا آرچ بشپ بنا دیا تھا اور اسی حیثیت میں اس نے ہنری اور کیتھرائن کی شادی کی تحلیل کر دی اور بادشاہ کو این بولین سے شادی کرنے کا موقع عطا کیا۔ اس زمانے میں کرنیمر کی قیادت نے کلیسا کو اصلاح پسندی کی طرف مائل کیا۔ اس کی سب سے بڑی خدمت اس کی کتاب "عبادت" ہے۔ انگریزی زبان میں یہ ایک نادر چیز تھی۔ جب سے انگریز قوم نے مسیحیت قبول کی تھی، عبادت کے لیے صرف لاطینی زبان استعمال کی جاتی تھی۔ انگلستان تو انگلستان یورپ بھی اسی زبان کا دل دادہ تھا اور اسی کے ذریعہ اس کے جذبۂ عبودیت کی تسکین ہوتی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ کبھی کوئی دوسری زبان اس کی جگہ لے سکے گی، لیکن کرنیمر نے یہ کمال کر دکھایا۔ انگریزی زبان میں ایسی دلکش اور دل موہ لینے والی کتاب "عبادت" تیار کی جس کی شستگی، لطافت اور موسیقیت نے انگریز قوم کو گرویدہ کر لیا اور آج تک اس کی شگفتگی اور اس کے حسن کا ہر کس و ناکس معترف ہے۔ جدید کلیسا کے لیے یہ کرنیمر کا

ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ اسی کتابِ عبادت نے کیتھولکوں کو نئے مذہب کی طرف کھینچا اور رفتہ رفتہ اصلاحِ مذہب کو اہلِ انگلستان کے لیے قابلِ قبول بنایا۔

ایڈورڈ ہشتم کے عہد میں پروٹسٹنٹ کلیسا کا قیام

ہنری کے انتقال سے الزبتھ کی تخت نشینی تک کارنامہ انگلستان میں انتہا پسندانہ مذہبی اکھاڑ پچھاڑ کا ہے۔ سب سے پہلے ملک میں ان لوگوں کو غلبہ حاصل ہوا جو اصلاحِ مذہب کے حامی تھے اور بہت جلد پورے ملک کو پروٹسٹنٹ بنانا چاہتے تھے۔ حکومت کی باگ ڈور برائے نام کمسن بادشاہ ایڈورڈ ششم کے ہاتھ میں تھی جو اپنے باپ کے بعد بادشاہ ہوا تھا، مگر اس کی کم سنی کی وجہ سے پہلے لارڈ سامرسٹ اور بعد میں نارتھمبر لینڈ حکومت کے کرتا دھرتا بنے رہے۔ سامرسٹ کے زمانہ میں "اصلاح" کے لیے اقدامات ضرور کیے گئے، مگر اعتدال پسندی اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ سامرسٹ کے زوال کے بعد جب لارڈ نارتھمبر لینڈ ریجنٹ مقرر ہوا تو کلیسائی اصلاح کی رفتار بہت تیز کر دی گئی اور کلیسا کو واضح پروٹسٹنٹ رنگ دیا گیا۔ ایڈورڈ ششم کے انتقال تک "شش دفعات ایمانی" کی منسوخی، "قانون یکسانیت" کے ذریعہ سے "کتاب عبادت" کے استعمال کا لزوم اور "بیالیس دفعات" کی منظوری نے کلیسائے انگلستان کو پروٹسٹنٹ بنانے میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔

میری کے بعد پاپائی سیادت کی بحالی پروٹسٹنٹوں پر مظالم

لیکن میری کی تخت نشینی (۱۵۵۳ء) نے اس کام پر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ میری کٹر رومن کیتھولک تھی۔ وہ ظاہر ہے، ایسے کسی مذہب کی دوست نہیں ہو سکتی تھی جس نے اس کی ماں کو ذلیل و خوار کیا اور جس کی وجہ سے وہ ناجائز اولاد قرار پائی۔ اسے زمانے کی اس بدسلوکی کا گہرا احساس تھا۔ اسی چیز نے اُسے سخت انتقام پسند بنا دیا تھا۔ خوش قسمتی سے ہنری نے جس سلسلۂ وراثت کا یقین کیا تھا، اس کے لحاظ سے وہ اب ملکہ تسلیم کر لی گئی۔ نارتھمبر لینڈ نے کچھ تو اپنے تحفظ اور کچھ نئے کلیسا کی برقراری کے لیے اسے تخت سے محروم کرنے کی سازش بھی کی، مگر وہ ناکام رہا۔ پروٹسٹنٹوں کو میری کی تخت نشینی سے جو اندیشے تھے وہ حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئے۔ یکے بعد دیگرے وہ تمام قوانین منسوخ کیے گئے جنھوں نے انگلستان کے کلیسا کو پروٹسٹنٹ بنا دیا تھا۔ نہ وہ بائیبل رہی نہ وہ "کتاب عبادت"۔ رومن کیتھولک مذہب کا احیاء عمل میں آیا۔ پاپائے روم کی سیادت کو دوبارہ تسلیم کیا گیا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ نے بصد عجز و ندامت اپنی گم رہی کا اعتراف کیا اور پوپ کے عفو و درگزر سے پاپائیت کی آغوش میں دوبارہ جائے امان حاصل کی۔ میری نے پارلیمنٹ کے ذریعہ سے وہ سب قوانین منسوخ کروا دیے جو ایڈورڈ ششم یا ہنری ہشتم کے زمانے میں رومن کیتھولک مذہب یا پاپائیت کے حق میں مضر

ثابت ہوئے۔ اس نے اپنی موت تک اپنی غلط پالیسیوں سے کیتھولک مذہب کی خانماں بربادی کا پورا سامان کر دیا تھا۔

اینگلیکن کلیسا کا قیام

الزبتھ کی تخت نشینی کے بعد پروٹسٹنٹ مذہب کا احیاء ناگزیر ہو گیا تھا۔ الزبتھ این بولین کی بیٹی تھی، لہٰذا راسخ العقیدہ رومن کیتھولکوں کی نگاہ میں نہ تو وہ جائز اولاد تھی اور نہ جائز وارث تخت و تاج۔ ایسی حالت میں پاپائیت سے الزبتھ کا کوئی سمبندھ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس عرصہ میں اہلِ انگلستان کی ایک کافی بڑی تعداد پروٹسٹنٹ مذہب کے زیر اثر آ چکی تھی اور ان کی نظر میں انگلستان کی آزادی کی برقراری کے لیے یہ ضروری تھا کہ پاپائیت اور رومن کیتھولک مذہب کا انگلستان میں قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ الزبتھ نے تخت نشینی کے بعد کلیسا کا جو انتظام کیا وہ پروٹسٹنٹ مذہب کے حق میں تھا۔ میری کے عہد کی تمام قانون سازیاں کالعدم قرار دی گئیں، "قانونِ سیادت" کے ذریعہ سے ملکہ کو کلیسا کا حاکم اعلیٰ (گورنر) بنایا گیا۔ اس طرح پاپائی رشتے اور پاپائی سیادت کا خاتمہ کیا گیا۔ قانونِ یکسانیت پاس کر کے کتاب عبادت کے استعمال کو لازم قرار دیا گیا۔ ان دونوں قوانین نے انگلستان کے کلیسا (انگلیکن چرچ) کو پروٹسٹنٹ بنیادوں پر قائم کر دیا اور ساتھ ہی یہ احتیاط بھی کی گئی کہ مذہبی پالیسی میں ایک معتدل اور درمیانی راستہ اختیار کیا جائے اور انتہا پسندی سے کلیسا کو دور رکھا جائے تاکہ ملک میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے یہ انتظام قابل قبول ہو اور قوم میں مذہبی اختلاف کی بنیاد پر کوئی مستقل تفریق حائل نہ ہو جائے۔ اس تمام مسئلہ کے حل کرنے میں الزبتھ کی کوشش یہی تھی کہ قوم کو منقسم ہونے سے بچایا جائے اور اس مقصد میں اس نے اپنے تدبّر سے کامیابی بھی حاصل کی۔